Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:1 (1967)

عہدِ رسالت میں شورائی نظام

محمد یوسف گورایہ، ریسرچ فیلو، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی

(۱)

قرآن حکیم کی ابدی تعلیمات ہمہ گیر و عالم گیر اصولوں کی حامل ہیں۔ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ط" ؎۱ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت کا تم پر اتمام کر دیا، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ کی رو سے اسلام آخری اور عالم گیر دین ہے۔ ان دو بنیادی حقائق کے پیشِ نظر اسلامی تعلیمات میں اتنی وسعت موجود ہے کہ وہ مختلف زمانوں میں بدلتے ہوئے حالات کا احاطہ کر سکیں۔ حالات کے تغیر و تبدل کا لازمی نتیجہ معاملات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ اور معاملات کو حالات کے ساتھ سازگار بنانے کے لئے جس بات کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، وہ قانون سازی کا نہایت مؤثر، آسان اور ذمہ دارانہ نظام ہوتا ہے جو پوری ذمہ داری کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لے، اور اسلام کی ابدی اور عالم گیر تعلیمات سے اصول اخذ کر کے ان کی بنیاد پر قوانین کی تشکیل کرے۔

اسلام نے اس بنیادی نقطے کی تعلیم اپنے بالکل ابتدائی دور میں ہی دینی شروع کر دی تھی اور مسلمان اس اصول پر مکی دور میں ہی گامزن ہو گئے تھے۔ اسلام کے اس ابتدائی دور میں مسلمانوں کو درپیش مسائل شورائی نظام کے تحت طے پاتے تھا۔ چناں چہ قرآن مجید کی سورہ الشوریٰ ؎۲ میں مسلمانوں کے آپس میں شورائی طور پر معاملات حل کرنے کے عمدہ اصول کی ان سنہرے الفاظ میں تعریف فرمائی گئی، ارشاد ہوتا ہے:۔

وأمرهم شوریٰ بينهم ؎۳۔ اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔

مکی آیات میں مسلمانوں کے شورائی نظام کا یہ ذکر دو اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے:۔

۱:۔ مسلمان اگرچہ بالکل ابتدائی دور سے گزر رہے تھے اور روزمرہ کے معاشرتی و عائلی مسائل کے علاوہ

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

بڑے بڑے مہتم بالشان ملکی و ملی معاملات انہیں ابھی درپیش نہیں تھے۔ بایں ہمہ رسالت مآب صلعم اور سابقین اولین صحابہ کرام نے اس ابتدائی دور ہی میں درپیش معاملات کو شورائی نظام کے ذریعے حل کرنے کی راہ اختیار کی۔

ب :۔ جناب رسول اکرم صلعم کی رہنمائی میں صحابہ کرام کا یہ اقدام اگرچہ عرب روایات کے مطابق خود بخود معرضِ وجود میں آیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اقدام کو جتنی اہمیت دی اس کا اندازہ اس سیاق و سباق سے ہوتا ہے، جس میں اس اصول کی تعریف کی گئی ہے۔

چنانچہ اس کا سباق اقامتِ صلوٰۃ ۵؎ (نماز کا قائم کرنا ہے) اور سیاق انفاق فی سبیل اللہ ۶؎ ہے۔ اور ان دونوں ارکان کے درمیان " امرھم شوریٰ بینھم " ۷؎ کا بیان ہے، اور یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ اسلامی طرزِ حیات کے دو بنیادی رکن ہیں، اور قرآن حکیم میں بیشتر دونوں بطور لازم و ملزوم استعمال ہوئے ہیں۔ شورائی نظام کو ان دو بنیادی ارکان کے عین درمیان بیان فرما کر اس نظام کے ذریعے قرآن مجید نے دین و دنیا میں توازن کا وہ سنہرا اور عمدہ اصول دیا جس کی مثال تاریخِ عالم میں نہ کسی مذہبی نظام سے ملتی ہے اور نہ غیر مذہبی نظام سے۔ صلوٰۃ اسلام میں اگر خدا اور بندے کے درمیان تعلق کی بنیاد ہے تو زکوٰۃ خدا اور بندے کے درمیان تعلق کے ساتھ ساتھ بندے اور بندے کے درمیان تعلق کی بنیاد بھی ہے۔ اگر صلوٰۃ نظام دین ہے، جب کہ دین صرف اللہ اور بندے کے درمیان معاملہ کی محدود تعریف میں لیا جائے تو زکوٰۃ نظامِ دنیا ہے' جو تمام مالی معاملات کی بنیاد ہے۔ شورائی نظام کا قرآن میں اس طرح کا بیان دراصل اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ مسلمانوں کے معاملات کا حل اجتماعی طور پر ہوگا۔ اور اس کا بہترین طریقہ ایسا نظام ہوگا جس میں مسلمانوں کی اجتماعی فکر بروئے کار آسکے۔

مکی دور میں اجتماعی اور شورائی نظام کی تعریف اور توثیق کے بعد جب مسلمان مدینے میں جاکر عملاً ایسے مسائل سے دوچار ہوئے جن کا دائرہ معاشرتی و عائلی معاملات سے بڑھ کر سیاسی، ملکی اور غیر ملکی معاملات کو محیط ہوگیا تو باقاعدہ حکم کی صورت میں اس نظام کے قیام کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ حکم ہوا :۔

وشاورھم فی الامر، ۸؎۔ معاملات کے طے کرنے میں ان سے مشورہ لیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلعم کو یہ حکم دینا کہ وہ معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیا کریں، بڑا ہی غور طلب مسئلہ ہے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی رُو سے شورائی نظام کا قیام ایک مذہبی فریضے کی حیثیت

اختیار کرلیتا ہے، اور دوسری طرف یہ حکم اللہ کے رسول کو ہو رہا ہے، جن پر قرآن نازل ہوتا ہے - اور شب و روز اللہ تعالیٰ کے احکام کا نزول بطورِ وحی جاری ہے۔ شورائی نظام کی اس اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر اس آیت کی تفسیر میں قتادہ سے ایک قول ابن جریر نے یوں نقل کیا ہے:-

امر اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ ان یشاور اصحابہ فی الامور وھو یاتیہ وحی السماء، [8]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ معاملات کے طے کرنے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کریں، حالاں کہ آپؐ پر آسمان سے وحی آتی تھی۔

چنانچہ الحسن البصری بھی اس کی تائید میں فرماتے ہیں:-

قد علم اللہ تعالیٰ ما بہ الیھم حاجۃ ولکن اراد ان یستن بہ من بعدہ، [9]

اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آپؐ (رسولؐ) کو ان کے مشورے کی حاجت نہیں، لیکن وہ چاہتا تھا کہ اس طرح رسول اللہؐ کے بعد آنے والے (شورائی نظام) کو سنت بنالیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت "وشاورھم فی الامر" [10] نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا:-

اما ان اللہ ورسولہ لغنیان عنھا ولکن جعلھا اللہ تعالیٰ رحمۃ لامتی فمن استشار منھم لم یعدم رشداً ومن ترکھا لم یعدم غیا، [11] واقعہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشورے سے بے نیاز ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے (شورائی نظام کو) میری اُمت پر بطور رحمت فرض کردیا ہے۔ لہٰذا ان میں سے جو بھی مشورہ طلب کرے گا رُشد و ھدایت سے محروم نہیں ہوگا، اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہی سے نہیں بچ سکے گا۔

ابوبکر الجصاص نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:-

لابد ان یکون لمشاورتہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاھم فائدۃ ھی الاستظھار بما عندھم و ان یکون للنبی صلی اللہ علیہ وسلم معھم ضرب من الاجتھاد فما وافق رأیہ عمل بہ وما خالفہ ترک غیر لوم وفیہ ارشاد للاجتھاد وجوازہ بحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم، [12]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلعم کا صحابہ سے مشورہ کرنے میں فائدہ یہ تھا کہ مسئلہ درپیش کے بارے میں صحابہ جو کچھ جانتے تھے، اُسے معلوم کیا جائے۔ اور یہ کہ آپؐ کے اس طرح صحابہ کے

ساتھ مشورہ کرنے سے ایک قسم کے اجتہاد کا نمونہ سامنے آ جائے۔ چنانچہ ایسے مشوروں سے جو مشورہ رسول اللہؐ کی رائے کے مطابق ہوتا، آپؐ اس پر عمل کرتے اور جو آپؐ کی رائے کے مخالف ہوتا اُسے بغیر کسی ملامت کے چھوڑ دیتے۔ اس میں اجتہاد کی تعلیم ہے اور خود رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں اس پر عمل کرنے کا جواز موجود ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے:۔ "قلت یا رسول اللہ الامر ینزل بعدک لم ینزل فیہ قران ولم یسمع منک فیہ شئی قال اجمعوالہ العابد من اُمتی واجعلوہ بینکم شوریٰ ولا تقضوہ برأی واحد، وینبغی ان یکون المستشار عاقلا کما ینبغی ان یکون عابداً" ۱۳؎

میں نے پوچھا۔ یا رسول اللہؐ! آپؐ کے بعد بھی مسائل پیدا ہوں گے جن کے بارے میں نہ قرآن میں حکم ہوگا اور نہ آپؐ سے کچھ سنا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا: میری اُمت کے عابد مسلمانوں کو جمع کرنا، اور درپیش مسائل شورائی نظام سے حل کرنا اور مسائل کا کسی فردِ واحد کے قول کے مطابق فیصلہ نہ کرنا۔ شورائی نظام کے ارکان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ صاحبِ عقل وفہم ہوں۔ جس طرح ان کے لئے دین پر عامل ہونا ضروری ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت صلعم کے نزدیک شورائی نظام کے ذریعہ قانون سازی کی کتنی اہمیت تھی اور زہد و تقویٰ کے باوجود وہ اُمت کے اس اجتماعی کام کو کسی فردِ واحد کے سپرد کرنے کے سخت مخالف تھے اور واضح طور پر فرمایا:۔ "ولا تقضوہ برأی واحد" ۱۴؎۔ اسلام کا شورائی اور اجتماعی مزاج خلاء میں نہیں اُبھرا بلکہ درحقیقت اس کے پیچھے عرب روایات کا صدیوں پرانا نظام کام کر رہا تھا۔ علامہ محمود آلوسی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان التشاور کان حالھم المستمرۃ قبل الاسلام وبعدہ" ۱۵؎ شورائی نظام سے معاملات طے کرنے کا طریقہ اسلام سے بہت پہلے سے رائج تھا اور بعد میں بھی رائج رہا۔

قبل از اسلام عربوں میں اگرچہ مرکزیت نہ تھی، لیکن معاملات طے کرنے کے لئے وہ قبائلی سطح پر اجتماعیت کے ضرور قائل تھے۔ قبائلی تنظیم اس درجہ استوار تھی کہ اس میں انتشار کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی، قبائلی سطح پر اجتماعیت کے اس اصول کو عربوں کے ہاں ایک مسلمہ قانون کی حیثیت حاصل تھی، گو ان حضرات پر یہ بات گراں گزرے گی جو قبل از اسلام عربوں کی لاقانونیت پر مُصر ہیں۔ بایں ہمہ عربوں کا یہ نظام کسی طرح بھی قانون سے کم حیثیت نہ رکھتا تھا۔ قبائلی قانون کے خلاف بغاوت قتل کے مترادف تھی، چنانچہ

ہر فرد قبیلے کے اجتماعی فیصلے کی اطاعت اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اور اس سے بغاوت کی صورت میں اس کے تباہ کن نتائج کا وہ خود ذمہ دار ہوتا تھا۔ فرد اور اجتماعیت کے اس تعلق کو دُرید بن الصِمّۃ نے نہایت ہی خوب صورت پیرائے میں یوں ادا کیا ہے :۔

وھل انا من غزیۃ اِن غوت غویت وان ترشد غزیۃ ارشد [16]

میں تو غزیہ کا ہی ایک فرد ہوں، اگر غزیہ راستہ بھٹک جائے تو میں بھی بھٹک جاؤں گا اور اگر وہ ہدایت پر ہو تو میں بھی ھدایت پر ہوں گا۔

عربوں کے اس اجتماعی طرزِ فکر کے تحت قبائل اور شہری سطح پر مختلف ادارے معرضِ وجود میں آ گئے تھے جو عربوں کے اس اندازِ فکر کے آئینہ دار تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قبائلی سطح پر اندرونی و بیرونی معاملات کے حل کے لئے شیخ قبیلہ پورے قبیلے کی رہنمائی کرتا تھا۔ اگرچہ پورا قبیلہ صلح و جنگ میں اس کی پوری پوری اطاعت کرتا لیکن عرب جن کے رگ و ریشہ میں جمہوریت سرایت کئے ہوئے تھی، شیخ کے کسی بھی یک طرفہ فیصلے کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اکابر قبیلہ سے مشورہ کرتا، اور ان کی رائے کے پیشِ نظر وہ اپنی رائے عوام سے منواتا، چوں کہ شیخ کی رائے قانون کی حیثیت رکھتی تھی جس کی اطاعت سب پر فرض تھی، اس لئے آخری فیصلہ کرنے سے قبل اکابر قبیلہ سے مشورہ کرنا نہایت ضروری تھا۔ شیخ پورے قبیلے کا جانا پہچانا، تجربہ کار، با اثر، فہیم اور عمر رسیدہ شخص ہوتا تھا۔ اسی طرح اکابر قبیلے کے ممتاز افراد ہوتے تھے۔

وسط عرب کے شہروں اور قصبوں میں اجتماعی طرزِ فکر کا مظاہرہ زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ شہروں میں مجالسِ شیوخ کے ارکان کو باقاعدہ الملاء کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ مکّہ کی اس مجلس کے ارکان اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ پھر ان کے انتخاب کے لئے خاص قواعد و ضوابط مقرر تھے۔ جن میں سب سے اہم قاعدہ عمر کا تھا۔ جس کی رُو سے چالیس سال سے کم عمر والا ایسی مجلس کا ممبر نہیں بن سکتا تھا [17]۔ شہر مکہ میں قصی نے اس ادارے کو اور زیادہ ترقی دی اور اُسے باقاعدہ "دارالندوۃ" کا نام دے کر اس کی اہمیت اور افادیت میں بے حد اضافہ کر دیا۔ دارالندوۃ کے نام سے باقاعدہ ایک عمارت تعمیر ہوئی جس کا دروازہ کعبہ میں کھلتا تھا۔ (ابن ہشام ص ۱۳۷)۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مکہ میں کوئی مذہبی، سیاسی، معاشی، تجارتی یا اجتماعی کام انجام نہیں پا سکتا تھا جب تک اُسے دارالندوۃ کی طرف سے قانونی حیثیت حاصل نہ ہو

جائے۔ تجارتی قافلوں کی روانگی اور واپسی تک وہیں ہوتی تھیں۔ جنگ و امن کے اعلانات، معاہدات کی تحریر و توثیق کا وہی مرکز تھا ۱۸ھ۔ روزمرہ کے معاملات پر غور و فکر کے لئے تو دارالندوۃ جیسی اہم مجلس موجود تھی۔ لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا درپیش ہوتا جو عمومی اجلاس کا طالب ہوتا تو ایسی صورتِ حال کے لئے بھی ان کے ہاں ایک نظام تھا جسے وہ "نادی القوم" کے نام سے پکارتے تھے۔ نادی القوم شہر کے سب سے بڑے مرکز کعبہ سے ملحق میدان میں جسے شہر کے پبلک پلیٹ فارم کی حیثیت حاصل تھی منعقد ہوتی تھی ۱۹ھ۔ مدینہ میں اس کا متبادل سقیفہ بنی ساعدہ تھا۔

قبل از اسلام عربوں کے شورائی نظام کے تحت معاملات کو حل کرنے کے جمہوری طریقۂ کار کے اس مختصر تعارف سے مراد صرف یہ ہے کہ مرکزیت کے فقدان کے باوجود عرب قبائلی اور شہری قانون کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ اور قانون سازی کا یہ کام اجتماعی طور پر شورائی نظام کے تحت انجام پاتا تھا۔ کسی فردِ واحد یا قبیلے کے چند "غیر آئینی" افراد کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اجتماعی طور پر بنے ہوئے قانون کے خلاف کوئی آواز بلند کرسکیں۔ اور اگر کوئی واقعہ عربوں کے اس جمہوری مزاج کے خلاف پیش آتا تو عرب مجموعی طور پر اس کا مقابلہ کرتے۔ اس سلسلے میں ابن قتیبہ نے ایک بڑا دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ جو عربوں کے جمہوری فکر کا صحیح معنوں میں آئینہ دار ہے۔ چنانچہ ابن قتیبہ لکھتا ہے :۔

"ایک شخص عثمان بن حویرث نے، جو مکہ کے قبیلہ بنو اسد کا ایک فرد تھا، قسطنطنیہ جا کر عیسائیت قبول کرلی۔ بزنطینی شہنشاہ نے اس کے سر پر تاج رکھا، اور مکّہ کی طرف روانہ کردیا۔ اور ساتھ ہی فرمان میں اہلِ مکہ کو حکم دیا کہ وہ اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں۔ بزنطینی شہنشاہ کے فرمان کی نافرمانی کا خطرہ بہت زیادہ تھا۔ اس لئے کہ اگر وہ چاہتا تو وہ اہلِ مکّہ کی مصر، فلسطین اور شام کے ساتھ تجارت تباہ کرسکتا تھا۔ بایں ہمہ اہلِ مکّہ نے اپنی جمہوری روایات سے ہٹنے سے انکار کردیا۔ اور اسے اپنا بادشاہ تسلیم نہ کیا جس کی پاداش میں شہنشاہ نے اپنے تمام علاقے اہلِ مکہ کی تجارت کے لئے بند کردیئے۔ اور بعض مکی تاجروں کو، جو اس کے علاقے میں قیام پذیر تھے گرفتار کرلیا گیا" ۲۰ھ۔

اسلام نے عربوں کے ان مختلف شورائی نظاموں پر مبنی قانون سازی کے جمہوری اداروں کو تسلیم کیا، ان کی تعریف کی، اور انھیں باقاعدہ اسلامی نظام قانون سازی کا حصہ قرار دیا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے۔ لیکن ان میں ایک بنیادی تبدیلی کی وہ یہ کہ قبائلی، دیہاتی اور شہری تمام نظاموں کو مٹا کر ان میں وحدت پیدا کردی۔

یک جہتی اور وحدت کے بڑے عمدہ اصول وضع کئے اور ان کی مدد سے پوری قوم میں نظم و اجتماعیت پیدا کر دی۔ اس وحدت کا مرکزی نقطہ خود رسولؐ کی ذات تھی۔ اور پورا نظام اُن کے گرد گھومتا تھا۔ چناں چہ قبل از اسلام "مجلسِ شیوخ"، "الملاء"، "دارالندوۃ" اور "نادی القوم" جیسے اداروں کو یکجا کر کے وحدت کی صورت میں ان تمام نظاموں کو ذاتِ واحد رسول اکرمؐ میں ضم کر دیا۔ اس انضمام اور اتحاد کے ساتھ نئی طرز پہ شورائی نظام کی ترتیب و تشکیل ہوئی۔ اور اکابر صحابہ اس نظام کے ارکان شوریٰ مقرر ہوئے۔ قرآن حکیم نے اس وحدت پہ بے حد زور دیا اور مختلف پیرایۂ بیان میں اس پہ سختی سے عمل پیرا ہونے حکم دیا ویسے تو بے شمار آیات قرآنی ان معانی کے ساتھ واضح طور پہ موجود ہیں۔ لیکن ان میں سے دو آیتیں خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں:-

۱:- و اذا جاءهم امرٌ من الامن او الخوف اذا عوا به ولو ردّوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم، ۲۱؎۔ اور جب ان لوگوں کے سامنے امن یا خوف کا کوئی معاملہ در پیش ہوتا ہے، تو یہ اُسے لوگوں میں پھیلانے لگتے ہیں۔ اگر یہ اُسے (لوگوں میں پھیلانے کی بجائے) اللہ کے رسول کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو اُن میں حکم و اختیار والے ہیں پیش کرتے تو ان میں سے یہ (علم و نظر والے) بات کی تہہ تک پہنچ جاتے۔

۲:- یا ایها الذین امنوا اطیعوا اللّٰه و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم، ۲۲؎ مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور جو لوگ صاحب حکم و اختیار ہیں، ان کی اطاعت کرو۔

ان دونوں آیتوں میں مرکزیت اور وحدت پہ زور دیا گیا ہے اور مرکز کی واضح طور پہ نشاندہی کر دی گئی ہے۔ نیز اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جہاں تک بنیادی تعلیمات کا تعلق ہے، ان کا ایک ہی مرکز ہے۔ اور وہ اللہ کی ذات ہے۔ پھر ان تعلیمات سے اصول مستنبط کر کے عملی معاملات میں ان کی تنفیذ کا کام ہے، اس تنفیذ و اجراء کے لئے رسول اللہؐ کی ذاتِ اقدس اور اولی الامر کو اس کام کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شورائی نظام پہ مبنی قانون سازی کا حق رسول اللہ کو ہے۔ اور ان کے بعد ان لوگوں کو جو صاحب حکم و اختیار ہوں۔ اس مرکز کے علاوہ پوری اُمت میں سے کسی کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ قانون سازی کا کام اپنے ہاتھ میں لے۔

انتشار و افتراق سے بچنے اور اجتماعیت کو اپنانے پر قرآن نے بڑا اصرار کیا اور جا بجا اس کی تعلیم دی، عبادات جو دوسرے مذاہب میں خدا اور بندے کا پرائیویٹ معاملہ ہے، اسلام نے انہیں اجتماعیت کی شکل دی۔ نماز کی ادائیگی کے لئے اجتماعیت پر اتنا زور دیا کہ جو لوگ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی بجائے گھر میں پڑھنے لگے تھے، ان کے گھروں کو آگ تک لگا دینے کی وعید کی گئی ۲۳۔ حج کی ادائیگی کے لئے امیر کا تقرر، رمضان میں روزوں کی اجتماعی حیثیت پر زور اور زکوٰۃ کے جمع و خرچ کرنے کا انتظام، وغیرہ وغیرہ، غرض تمام عبادات کے لئے ایسے قواعد و ضوابط بنائے جن سے پوری اُمت کے اندر نظم و اجتماعیت پیدا ہو گئی حتیٰ کہ عبادات اجتماعیت کی نمائندہ بن گئیں، جن سے کفر و نفاق، انتشار و افتراق اور بغاوت و سرکشی کی پرکھ کی جانے لگی۔ چنانچہ اسی ضمن میں وہ بے شمار احادیث آتی ہیں، جن کا موضوع ہے "من شذ شذ فی النار" ۲۴ جس نے اجتماعیت و مرکزیت کا دامن چھوڑا وہ دراصل جہنم کی طرف جماعت سے کٹا۔ "علیکم بالجماعۃ" اور "الاعتصام بالسنۃ" کے موضوع پر آں حضرت صلعم سے بے شمار احادیث کی روایت کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلعم کے نزدیک اجتماعیت و مرکزیت اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ چناں چہ آپ نے فرمایا:۔

"من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی" محمد بن اسماعیل بخاری، الصحیح، ۱۹۳۸ء۔ ج ۲ ص ۱۰۵۷۔ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اسی طرح آپ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا:۔ من رای من امیرہ شیئاً فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الامات میتۃ جاھلیۃ۔ بخاری ص ۱۰۵۷۔ جو کوئی امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات پائے اُسے چاہیئے کہ تحمل سے کام لے، اس لئے کہ کوئی بھی جو جماعت (سوادِ اعظم) سے ایک بالشت بھر الگ ہو جائے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں شورائی نظام کے تحت قانون سازی کے چند مظاہر ہم درج ذیل کرتے ہیں، جن سے معلوم ہو سکے گا کہ عہدِ رسالت میں قانون سازی کا کام کیسے انجام پاتا تھا۔

مدینہ پہنچنے کے بعد قانون سازی کے سلسلے میں سب سے پہلا مشہور معاملہ بدر کے قیدیوں کا پیش آیا۔ حضرت عمر روایت کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ صلعم نے دریافت فرمایا:۔

" ماترون فی هولاء الاساری" ۲۵ھ۔ ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ ۔حضرت ابو بکرؓ نے کہا :" یارسول اللہؐ ! یہ چچیرے بھائی اور خاندان والے ہیں۔میرا خیال یہ ہے کہ ہم ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیں۔اس طرح ہمیں کافروں کے مقابلہ میں قوت حاصل ہو جائے گی اور بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی توفیق عطا فرمائے "۔پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا :۔ ماترہی یا ابن الخطاب، ۲۶ھ ۔ " اے عمرؓ ! تمہاری کیا رائے ہے ؟" میں نے کہا :" اے اللہ کے نبیؐ ! میں اس رائے سے متفق نہیں جو ابو بکرؓ نے دی ہے ۔میری رائے تو یہ ہے کہ آپؐ انہیں ہمارے قابو میں دے دیں اور ہم ان کی گردنیں اُڑا دیں ۔عقیل کو حضرت علیؓ کے حوالے کیجئے ، تاکہ وہ اس کی گردن اُڑا دیں۔مجھے فلاں میرا رشتہ دار حوالہ کیجئے میں اس کی گردن اُڑا دوں ، یہی لوگ تو کفر کے آئمہ و قائد ہیں ، یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے آپؐ کو جھٹلایا آپؐ کو گھر سے نکالا ۔ان کی گردنیں مار دیجئے "۔ ۲۷ھ ۔عبداللہ بن رواحہ نے اپنے دلائل یوں پیش کئے :" یارسول اللہؐ ! یہ وادی جس میں آپؐ ہیں ، بکثرت ایندھن اپنے اندر رکھتی ہے ، اس ایندھن میں آگ لگوا کر ان قیدیوں کو اس میں ڈال کر جلا دیجئے "، اس پر عباس نے کہا :" خدا تیری رشتہ داری کا تعلق منقطع کر دے "۔حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دلائل کو دوبارہ اس انداز میں پیش کیا :" یارسول اللہ صلعم ! یہ آپؐ کا کنبہ اور آپؐ کا گھرانا ہے ۔آپؐ کا خاندان اور آپؐ کی قوم ہے ان سے درگذر فرمائیے ، خدا آپؐ کے ذریعہ ان لوگوں کو آگ سے نجات دے گا "۔ ۲۸ھ

مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے یہ اقوال سن کر حضورؐ اندر تشریف لے گئے ، تب مجمع میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں ، کوئی کہتا تھا کہ بات تو حضرت عمرؓ کی ہے ۔کوئی کہتا تھا کہ بات حضرت ابو بکرؓ کی ہے "۔ ۲۹ھ ۔حضور نبی اکرم صلعم کافی دیر غور و خوض کرنے کے بعد باہر تشریف لائے اور اعلان فرمایا :۔اللہ تعالیٰ کی شان ہے ، کہ اس نے اپنی محبت میں بہت سے آدمیوں کے دلوں کو سخت بنا دیا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں ، اور بہت سے آدمیوں کے دلوں کو نرم بنا دیا ہے حتیٰ کہ وہ انتہائی نرم ہو گئے ہیں ۔پھر فیصلہ کن لہجہ میں فرمایا :" وان بکم غیلۃ ، فلا یفلت منہم احد الا بفداء "۔ اب تمہاری مالی حالت کمزور ہے ۔لہٰذا ان قیدیوں میں سے کوئی بچ کر نہ نکلے ، یا تو فدیہ دے یا پھر اس کی گردن مار دی جائے ۔ ۳۰ھ

۲ :۔اس سلسلے کا عہد رسالت کا دوسرا مشہور واقعہ جنگ احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے مقام کے انتخاب کا تھا ۔رسول اکرمؐ نے مجلسِ شوریٰ منعقد کی اور مسئلہ اس کے سامنے رکھا ۔حضرات صحابہؓ نے مختلف آراء پیش کیں ۔ اور حضورؐ نے فرمایا :۔

"فان رأیتم ان تقیموا بالمدینة وتدعوهم حیث نزلوا فان اقاموا اقاموا بشر مقام و ان هم دخلوها علینا قاتلناهم فیہا"[۳۱] - اگر تمہاری یہ رائے ہو کہ مدینہ میں رہ کر (مدافعت کرو) اور دشمن کو وہیں چھوڑ دو، جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں، اگر وہ وہیں ٹھہرے رہیں تو ان کا وہاں مقام ان کے لئے بہت تکلیف دہ ہوگا۔ اگر وہ مدینہ میں گھس کر ہم پر حملہ کریں تو ہم ان سے لڑ لیں گے ۔

عبداللہ بن ابی بن سلول نے حضورؐ کی رائے کی تائید کی مگر شوریٰ کے ارکان کی اکثریت اس رائے کی حامی نہ تھی، اور وہ مدینہ میں رہ کر لڑنے کے بجائے میدان میں لڑنے کو ترجیح دیتے تھے خصوصاً وہ حضرات اس رائے میں پیش پیش تھے جنہیں بعد میں جنگِ احد میں شہادت نصیب ہوئی اور وہ حضرات جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے ۔ ان کا کہنا تھا :۔ یارسول اللہ، اُخرج بنا الی أعدائنا لا یرون انا جبنا عنھم وضعفنا[۳۲] اے اللہ کے رسولؐ، آپؐ ہمارے ساتھ میدان میں نکلئے، کہیں دشمن ہمارے متعلق یہ خیال نہ کرے کہ ہم ان سے مقابلہ کرنے میں بزدل ہوگئے ہیں اور ہمارے اندر ضعف آگیا ہے ۔ اس رائے کے حامی حضرات نے جب اپنے اپنے دلائل ختم کر لئے تو عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنی رائے جو اس کے سابقہ تجربہ کی بنیاد پر قائم تھی، اس طرح پیش کی :۔ اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ مدینہ ہی میں ٹھہریئے، اور دشمن کی طرف نکل کر نہ جایئے، اللہ کی قسم، ہمارا تجربہ یہ ہے کہ جب کبھی بھی ہم دشمن کی طرف شہر سے نکل کر گئے ہیں ۔ ہمیشہ ہمیں گزند پہنچا۔ اور جب کبھی بھی دشمن شہر میں داخل ہوکر حملہ آور ہوا تو اُسے گزند پہنچا۔ اے اللہ کے رسولؐ! میرا مشورہ یہ ہے کہ انہیں وہیں چھوڑ دیا جائے ۔ اگر وہ وہیں ٹھہرے رہیں تو بڑی ذلت کے مقام پر ٹھہرے رہیں گے، اور اگر انہوں نے شہر میں داخل ہونے کی جرأت کی تو ہمارے مرد اُن سے دو بدو لڑیں گے اور ہماری عورتیں اور بچے اوپر سے ان پر پتھراؤ کریں گے، اور اگر وہ لوٹ جائیں تو ناکام و نامراد لوٹ جائیں گے جس طرح وہ آئے تھے ۔[۳۳] لیکن اکثریت نے اپنی رائے پر قائم رہنے پر اصرار کیا، اور مسلسل رسول اللہ صلعم سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کا مطالبہ کیا۔ آخر آں حضرت صلعم نے شورائی نظام کے پیشِ نظر اکثریت کی رائے مان کر فیصلہ فرمایا کہ دشمن کا مقابلہ میدان میں ہوگا۔

اس واقعہ کا سب سے زیادہ غور طلب پہلو یہ ہے کہ جب رسول اللہؐ کثرت رائے کے مطابق فیصلہ فرما چکے اور تیار ہوکر باہر نکلے تو بعض حضرات نے جنہوں نے آپؐ کی رائے کی مخالفت کی تھی پشیمانی کا اظہار کیا، اور عرض کیا :۔ یارسول اللہؐ! استکرھناک ولم یکن ذلک لنا . فان شئت فاقعد

صلی اللہ علیک، ۳۴ھ۔ اے اللہ کے رسولؐ شاید ہم نے اپنی رائے منوانے میں آپؐ کو مجبور کیا ہے، حالانکہ یہ بات ہمارے شایانِ شان نہ تھی۔ اس لئے اگر آپؐ کا ارادہ شہر ہی میں ٹھہرنے کا ہے تو آپؐ شہر ہی میں ٹھہریں۔ اس کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا: "ما ینبغی لنبی اذا لبس لأمته ان یضعها حتی یقاتل" ۳۵ھ۔ کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ جب ایک دفعہ اپنا زرہ پہن لے تو اُسے لڑے بغیر اُتار دے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک بار کثرتِ رائے سے فیصلہ ہو گیا ہے۔ تو اُس سے واپس جانے کی ضرورت نہیں، خواہ یہ فیصلہ مجھے پسند نہیں۔

۲۔ معرکۂ خندق کے دوران جب مسلمان سخت مصائب میں گھر گئے تو رسول اللہ صلعم نے حملہ آوروں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے بنو غطفان کو جو قریش کے ساتھ ایک طاقت ور جتھے کی حیثیت سے محاصرے میں شامل تھے، مدینے کے باغات کی کھجوروں کا ایک تہائی حصہ اس شرط پر دینے کی پیش کش کی، کہ وہ قریش کا ساتھ چھوڑ دیں۔

"جب لوگوں پر مصائب کی شدت ہوگئی، تو رسول اللہ صلعم نے عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر اور حرث بن عوف بن ابی حارثہ المری جو بنو غطفان کے قائد تھے، کی طرف اپنا وفد بھیجا، اور مدینے کی ایک تہائی پیداوار کی پیش کش اس شرط پر کی کہ وہ دونوں سردار اپنے تمام ساز و سامان اور لوگوں کے ساتھ واپس چلے جائیں۔ چنانچہ اس شرط پر صلح ہو گئی حتیٰ کہ معاہدہ تک لکھ لیا گیا۔ لیکن اس پر ابھی تک نہ شہادتیں ہوئی تھیں اور نہ ہی اُسے آخری شکل دی گئی تھی۔ بلکہ ابھی اس پر گفت گو جاری تھی" ۳۶ھ

اس سلسلے میں جب انصار سے رائے لی گئی تو حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا: "یا رسول اللہ امراً تحبه فنصنعه، ام شیأ امرك الله به لا بُد لنا من العمل به، ام شیأً تصنعه لنا؟" ۳۷ھ یا رسول اللہؐ یہ تجویز آپ کی پسندیدہ رائے ہے کہ ہم اسے قبول کریں یا اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جس پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، یا آپؐ خود اپنی طرف سے ہماری بہتری کے لئے ایسا کرنا چاہتے ہیں" حضورؐ نے فرمایا: "بل شئی اصنعه لکم، واللہ ما اصنع ذلك الا لاننی رأیت العرب قد رمتکم عن قوسٍ واحدةٍ وکابوکم من کل جانب فاردت ان اکسر عنکم من شوکتهم الی أمر ما" ۳۸ھ۔ بلکہ میں تو یہ کام محض آپ لوگوں کی بھلائی کے لئے کرنا چاہتا ہوں۔ بخدا میں ایسا صرف اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام عرب تمہاری مخالفت میں متحد ہو کر آ گئے ہیں، اور انہوں نے ہر جانب سے تم لوگوں کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ جہاں

تک ممکن ہو، ان کی قوت وشوکت کو توڑ دوں "۔

اس پر سعد بن معاذ نے کہا :- اے اللہ کے رسولؐ! ہم اور یہ ہمارے دشمن مشرک تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی اُسے جانتے تھے۔ اس حالت میں بھی وہ کبھی خواہش نہ کر سکے کہ ہماری ایک کھجور بھی کھا جائیں بجز ہماری مہمان نوازی کے یا ہم سے خرید کے، اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام جیسی دولت سے نوازا ہے، اور اس کی ھدایت دی ہے۔ اور آپؐ کی وجہ سے ہمیں عزت بخشی ہے، تو ہم انہیں اپنے اموال دے دیں؟ - بخدا ہمیں ایسی صلح کی حاجت نہیں، بخدا ہم تو سوائے تلوار کے انہیں کچھ بھی نہیں دیں گے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے ۔ ۳۹ ۔

حضرت سعد بن معاذ کی تقریر سن کر حضور اکرمؐ نے فرمایا :" فأنت وذاك " ۴۰ بات وہی ہے جو تم نے کہی ۔ چنانچہ اسی پر فیصلہ ہو گیا اور حضورؐ نے صلح کی پیش کش واپس لے لی۔ اور " فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون " ۴۱ جناب رسول کریمؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور تمام مسلمان بھی "۔

۴ :- جنگِ حنین کے بعد قبیلہ ہوازن کے ایک وفد نے حضورؐ سے قیدیوں اور اموال کی واپسی کی درخواست پیش کی تو آں حضرتؐ نے اس مسئلہ کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا، اور فرمایا :" تمہارے یہ بھائی توبہ کر کے آ گئے ہیں، اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انہیں واپس کر دیں، لہٰذا تم میں سے جو بھی بطیب خاطر ایسا کرنا پسند کرے، تو وہ کر ڈالے ۔ اور تم میں جو یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنا حصہ اس شرط پر دے کہ ہم پہلی "فیئے" میں سے جو ہمیں حاصل ہوئی ہے، اس کا معاوضہ ادا کر دیں تو وہ اس شرط پر ایسا کر ڈالے "۔ اس پر لوگوں نے کہا :- " یا رسول اللہؐ! ہم انہیں اپنے قبضہ کے قیدی بطیبِ خاطر دیتے ہیں "۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :" اس ہجوم میں ہمیں صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ کون بخوشی آمادہ ہے، اور کون نہیں، لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے حلقوں میں واپس چلے جاؤ تاکہ ہمارے پاس تمہارے سردار آکر تمہاری رائے کی ترجمانی کریں۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے حلقوں میں واپس چلے گئے، جہاں ان کے سرداروں نے ان سے تبادلہ خیال کیا، پھر وہ سردار حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ ہمارے سب لوگ (اپنے قبضے کے قیدیوں) کو بطیبِ خاطر اس بات کی اجازت دیتے ہیں (کہ وہ واپس اپنے قبائل میں چلے جائیں) ۴۲ ۔

یہ واقعہ آں حضرت صلعم کے شورائی نظام کی سچی تصویر ہے۔ اس سے صحیح معنوں میں عہدِ رسالت کے شورائی نظام کی عکاسی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم قدم قدم پر شوریٰ کا درس دیتے ہیں۔ اور جہاں کہیں شبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس رائے میں سب کی رائے شامل نہیں یا عوام اپنی ناپختگی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے حالات کا جائزہ لئے بغیر جذباتی طور پر ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، فوراً اصحاب الرائے کو طلب کرتے ہیں۔ انہیں حکم دیتے ہیں کہ معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے وہ جمہور کے پاس جاکر ان کی رائے معلوم کریں، اور بڑے ٹھنڈے دل سے فیصلہ کریں کہ ان کی آخری اور قطعی رائے کیا ہے۔ اور پھر اصحاب الرائے سے مشورہ کے بعد کسی کام کو قانونی شکل دیتے، اور یہ قانون سوادِ اعظم کی کثرتِ رائے کا ترجمان ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی طرف سے جب کوئی فیصلہ قانون کی شکل میں ظاہر ہوتا تو تمام لوگ سمع و طاعت کے علاوہ کسی دوسری طرف دیکھتے تک نہ تھے۔

ان چند واقعات کی روشنی میں ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں پیش آنے والے معاملات کا حل کیسے ہوتا تھا۔ اور آں حضرت صلعم باوجودیکہ صاحبِ وحی والہام تھے۔ شب و روز وحی کا تانتا بندھا رہتا تھا، آسمانی رہنمائی و ہدایت قدم قدم پر میسر تھی، پھر بھی معاملات کو حل کرنے میں ہمیشہ شورائی نظام پر بھروسہ کرتے، ہر فرد کو مافی الضمیر کے اظہار کا موقع دیتے، اور جب تک اہل الرائے مسلمانوں کی مجموعی رائے معلوم نہ ہو جاتی، کوئی فیصلہ نہ فرماتے۔

اجتماعیت و مرکزیت کی یہ روح جو آنحضرت صلعم نے صحابہ کرام میں پھونکی، اس کے عملی مظاہر تو ہم نے سابق امثلہ میں خود حضور صلعم کی موجودگی میں دیکھ لئے۔ اب ہم اس عہد کا ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جو اجتماعیت کا بے مثال نمونہ ہے۔ چھٹے سال ہجری میں آنحضرت صلعم عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے صحابہ کو ساتھ لے کر مکہ کو روانہ ہوئے۔ جب آپ مکہ کے نواح میں پہنچے، تو قریش نے آنحضرت کو عمرہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان بن عفان کو قریش کے پاس بھیجا، حضرت عثمان بن عفان نے رسول اللہ صلعم کا پیغام ابوسفیان اور قریش کے عظماء تک پہنچایا۔ جب حضرت عثمان آپ کا پیغام پہنچا چکے تو قریش نے آپ سے کہا:۔

"ان شئت ان تطوف بالبیت فطف، ۴۳ء اگر آپ چاہیں کہ آپ بیت اللہ کا طواف کریں تو آپ طواف کر سکتے ہیں:" قریش کے اس سوال کا حضرت عثمان نے یہ جواب دیا:" ما کنت لافعل حتی یطوف بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۴ء۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا جب تک رسول اللہؐ تمام جماعت صحابہ کے ساتھ مل کر اس کا طواف نہ کریں:" اب عمرہ ایک عبادت ہے، لیکن ایسی عبادت جس کے پیچھے اجتماعیت

کی روح کارفرما نہ ہو حضرت عثمان نے اس کے ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ (مسلسل)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ قرآن مجید، سورہ المائدہ ۵۰ : ۳ (۲)۔ قرآن مجید، سورہ الشوریٰ، ۴۲ :

۳۔ قرآن مجید، سورہ الشوریٰ ۴۲ : ۳۸ (۴)۔ قرآن مجید، ایضاً

۵۔ ایضاً۔ (۶)۔ ایضاً۔

۷۔ قرآن مجید، ال عمران ۳ : ۱۵۸

۸۔ السید محمود الآلوسی، تفسیر روح المعانی، جزء رابع، الدمشق ص۱۰۶

۹۔ ایضاً۔ (۱۰) قرآن مجید، آل عمران ۳ : ۱۵۸۔

۱۱۔ السید محمود آلوسی، روح المعانی، ایضاً ص۱۰۶ (۱۲)۔ ایضاً۔ ص۱۰۷+۱۰۶

۱۳۔ محمود آلوسی۔ روح المعانی ایضاً، جلد ۲۵، ص۴۶

۱۴۔ ایضاً۔ (۱۵)۔ محمود آلوسی، روح المعانی، جلد ۲۵، ص۴۶

۱۶۔ درید بن الصمۃ، اشعار العرب لابی زید محمد بن ابی الخطاب القرشی۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۸ء، ص۱۱۷۔

۱۷۔ ابن درید، الاشتقاق، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، مصر، سنہ ۱۹۵۸ء، ص۱۵۵۔

۱۸۔ ابنِ ہشام، سیرۃ النبیؐ، سنہ ۱۹۳۷ء قاہرہ، ص۱۴۱۔

۱۹۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ جلد ۳۔ ص۳۸-۳۹۔

۲۰۔ ابن قتیبہ۔ المعارف ص۲۱ بحوالہ S.A.Q. HUSAINI THE CONSTI-TUTION OF THE ARAB EMPIRE, LAHORE, 1958, P.98

۲۱۔ قرآن مجید، النساء ۴ : ۸۴ (۲۲)۔ قرآن مجید، النساء ۴ : ۵۸۔

۲۳۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری، الصحیح، سنہ ۱۹۳۸ء، دہلی، ج ۱ ص ۸۹ " لقد هممت أن امر بحطبٍ ليحطب ثم امر بالصلوٰة فيوذّن لها ثم امر رجلاً فيؤم الناس ثم اخالف الى رجالٍ فاحرق عليهم بيوتهم "

۲۴ - الجامع الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، کانپور، ابنِ ماجہ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالسنۃ) ص ۱۱۵

۲۵ - ابو عبید، کتاب الاموال، قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۳۲

۲۶ - ایضاً -

۲۷ - ایضاً، ص ۱۱۴ -

۲۸ - ایضاً -

۲۹ - ایضاً -

۳۰ - ایضاً -

۳۱ - ابن ہشام، سیرۃ النبی، قاہرہ ۱۹۳۷ء، جلد ۳، ص ۷۶ -

۳۲ - ابن ہشام، جلد ۳، ص ۷ -

۳۳ - ایضاً -

۳۴ - ابن ہشام، سیرۃ، جلد ۳، ص ۸ -

۳۵ - ابنِ ہشام، ایضاً -

۳۶ - ابن ہشام، سیرۃ، جلد ۳، ص ۲۳۹ -

۳۷ - ابنِ ہشام، ایضاً -

۳۸ - ابنِ ہشام، ایضاً -

۳۹ - ایضاً -

۴۰ - ایضاً - ص ۲۳۹ -

۴۱ - ایضاً -

۴۲ - ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۱۱۷ - ۱۱۸ -

۴۳ - ابن ہشام، سیرۃ، جلد ۳، ص ۲۶۴ -

۴۴ - ایضاً -